ساری مثنوی اس طرح کی باریکیوں سے بھری ہے، جن کا تعلق الفاظ سے بھی ہے اور معنی سے بھی۔ مثلاً ؎

بدلی میں چھپی وہ ماہِ روشن
بجلی سا عیاں ہوا یہ پُرفن
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا

روح افزا کو اس چاند کی طرح کہا ہے جو بدلی میں چُھپ جائے۔ بادل میں بجلی بھی ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے تاج الملوک کو بجلی کی طرح ظاہر ہوتا دکھایا ہے۔ "روشن" اور "بجلی" کی مناسبت سے اگلے شعر میں "لپکا" کا لفظ آتا ہے۔ پھر "پری" کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں "حیرت" کا لفظ ہے۔

مثنوی کے آخری پانچ شعروں میں ایسی ہی باریکیاں تلاش کیجیے۔

"لُطف فرماؤ" کی جگہ آج کل "لُطف فرمائیے" کہا جائے گا۔ آج کل کے محاورے کی رو سے "لُطف فرماؤ" کو "شتر گربہ" کی مثال کہیں گے۔ "شتر گربہ" کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔

مندرجہ ذیل شعر ؎

سیّاح کو کیا قیام سے کار
شبنم نہیں جاگزینِ گلزار

بہت دلچسپ ہے کیونکہ اس میں کوئی فعل نہیں استعمال ہوا ہے۔ فعل کو استعمال کیے بغیر مصرع یا عبارت بنانا اور اس طرح بنانا کہ فعل کی کمی نہ محسوس ہو، بڑی خوبی کی بات ہے۔

رُباعی

رُباعی چار مصرعوں کی نظم ہوتی ہے۔ اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ تیسرا مصرع بھی اسی قافیے میں ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ رُباعی کے پہلے شعر کو مطلع نہیں کہتے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہم قافیہ ہونے کی بِنا پر رُباعی کے پہلے دو مصرعے "مُصرّع" ہوتے ہیں۔ رباعی میں عام طور پر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا چوتھا مصرعہ سب سے زیادہ پُرزور ہو۔ اس کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ پہلے دو مصرعوں میں جو بات کہی گئی ہے اس کے نتیجے یا انتہائی نقطے کو پیش کرنے کے لیے تیسرے مصرعے میں کوئی ایسا پہلو ڈال دیا جائے کہ جس سے چوتھے مصرعے کی طرف جَست ہو سکے، لیکن یہ شرطیں ایسی نہیں ہیں کہ اگر پوری نہ ہوں تو رُباعی نہ بن سکے۔ لیکن قافیوں کی پابندی اور بحر کی پابندی ایسی شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا رُباعی کے لیے ضروری ہے۔ رُباعی "ہزَج" نامی بحر کی دو مخصوص شکلوں میں ہی کہی جاتی ہے۔ ان دو شکلوں میں تھوڑی بہت اندرونی تبدیلیاں کر کے چوبیس شکلیں بنائی گئی ہیں۔ رباعی کے چار مصرعے بحرِ ہزَج کی ان چوبیس شکلوں میں سے کسی چار شکلوں میں ہو سکتے ہیں۔

رباعی کب وجود میں آئی یا سب سے پہلی رباعی کس نے لکھی ؟ ان سوالوں کے جواب دستیاب نہیں ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رُباعی کی ایجاد کا سہرا قدیم ایرانی شاعر رودکی (وفات : 940) کے سر ہے، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی بچّہ اخروٹ سے کھیل رہا تھا اور ایک اخروٹ لُڑھکتا ہوا کچھ دور چلا گیا تو اس کی زبان سے نکلا۔ ع

غلطاں غلطاں ہمی رود تا لبِ گو

یہ کلام لوگوں کو بہت پسند آیا۔ پھر اس پر لوگوں نے شعر کہنے شروع کر دیے۔ لیکن یہ واقعہ بھی بہ ظاہر بے اصل معلوم ہوتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ رباعی کی موجودہ شکل گیارہویں صدی میں مقبول ہو چکی تھی۔ چنانچہ ایران کے مشہور فلسفی اور ریاضی داں، خیّام (1048–1131) کو ہم رباعی گو کی حیثیت سے بھی جانتے ہیں۔

رباعی میں عام طور پر حکیمانہ اور عاشقانہ مضامین ادا کیے جاتے ہیں لیکن شاعروں کی طبیعتوں نے خود کو ان مضامین کا پابند نہیں کیا۔ چنانچہ رباعی میں اور طرح کے مضامین بھی نظم کیے گئے ہیں۔ اردو میں رباعیاں اگرچہ کم کہی گئی ہیں، لیکن مثنوی کے برخلاف رباعی کی مقبولیت میں آج بھی کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

○

میر تقی میرؔ

ملیے اُس شخص سے جو آدم ہووے
ناز اُس کو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرمِ سخن تو گرد آوے یک خلق
خاموش رہے تو ایک عالَم ہووے

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے
خوُنابہ کشی مُدام کی ہے ہم نے
یہ مہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عُمر
مرمر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

○

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
"گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل"

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالبؔ لیکن
خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

میر ببر علی انیسؔ

(1874 _ 1804)

دُنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بُڑھاپا دیکھا
جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رُخ سب سے پھرا کے مُنہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

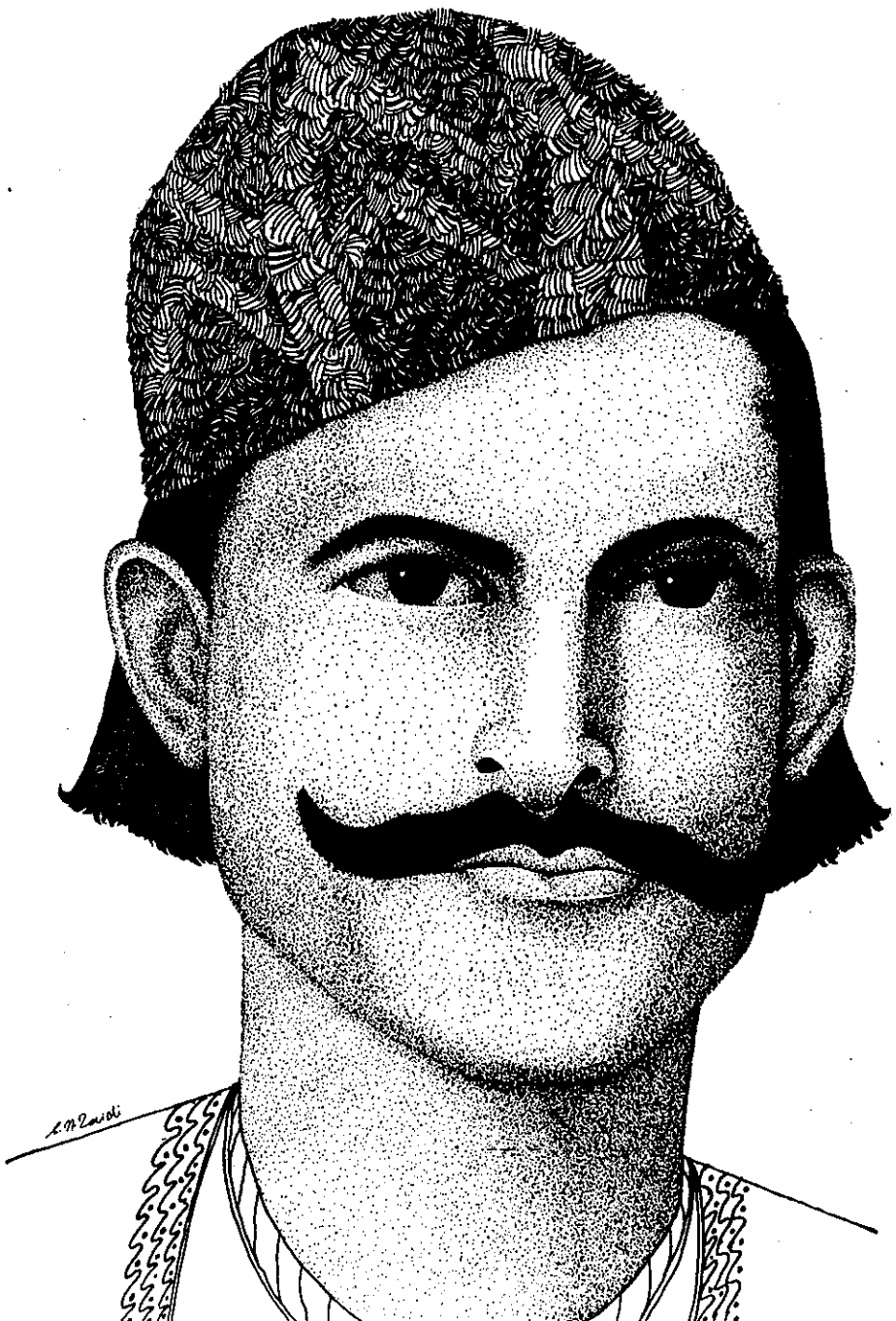

خواجہ الطاف حُسین حاؔلی

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مُغاں نے راگ گایا تیرا
دَہری نے کیا دَہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بَن نہ آیا تیرا

بلبل کی چمن میں ہم زبانی چھوڑی
بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

معنی اور اشارے

غلطاں غلطاں ہمی رود تا لبِ گو = لڑھکتا لڑھکتا گڑھے کے کنارے تک پہنچا جاتا ہے۔

خونابہ = خون ملا ہوا پانی

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل = کچھ کہوں تو مشکل ورنہ کہوں تو مشکل

غور کرنے کی بات

میؔر کی پہلی رُباعی :

میؔر نے انسان کی تعریف میں تین بڑی عُمدہ باتیں کہی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اس کو اپنے کمال پر ناز ہو مگر بہت کم ہو۔ یعنی اپنے کمال پر ناز بالکل نہ کرنا بھی ایک طرح کی بے وقوفی ہے۔ دوسری یہ کہ جب وہ شخص بولے تو لوگ اس کے گرد جمع ہو کر اُس کی بات سُنیں۔ لیکن صِرف دلکش تقریر ہی کافی نہیں، اس شخص کی خاموشی بھی ایک کیفیت ہونا چاہیے۔ چوتھے مصرع کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اگر وہ شخص خاموش رہے تو ایک عالَم (یعنی تمام دُنیا) خاموش ہو جائے۔ عالَم کے دونوں معنی سے شاعر نے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

میؔر کی دوسری رُباعی :

"خونابہ" یا "خوناب" دو لفظوں سے مل کر بنا ہے، یعنی "خون" اور "آب"۔ اس سے مِلتا جُلتا ایک لفظ اور بھی ہے : "خوں ناب"۔ یہ بھی دو لفظوں سے بنا ہے؛ یعنی "خون" اور "ناب"۔ "ناب" کے معنی ہیں خالص۔ لہٰذا "خوں ناب" کے معنی ہوئے

"خالص خون"۔ اور "خونابہ" کے معنی ہوئے "وہ پانی جس میں خون ملا ہُوا ہو۔"

"مُہلتِ کم" کے معنی ہیں "بہت کم فرصت"۔ لیکن "کم" کے معنی "بالکل نہیں" بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے "مُہلتِ کم" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مُہلت جو موجود نہیں ہے۔ مثلاً "نازکم کرو" کے معنی ہیں "غرور بالکل نہ کرو۔"

غالبؔ کی پہلی رُباعی :

"زبس" یا "ازبس" یا "بس" یا "ازبس کہ"، یہ سب ایک ہی لفظ ہیں۔ ان کے دو معنی ہیں : "اِس قدر زیادہ" اور "چونکہ" ـــــــ غالبؔ نے بڑی خوبصورتی سے دونوں معنی سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

"گویم مُشکل وگرنہ گویم مُشکل"، فارسی کی کہاوت ہے اور ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جب آدمی دونوں طرح مُشکل میں ہو؛ کچھ کہے تو مصیبت اور نہ کہے تو مصیبت۔ دیکھیے غالبؔ نے اس کہاوت کو اپنی شعرگوئی کے لیے کس خوبی سے استعمال کیا ہے۔

انیسؔ کی پہلی رُباعی :

دُنیا میں ہر چیز کے آنی جانی ہونے کا ثبوت کتنا اچھا دیا ہے۔ ایک طرف تو بڑھاپا ہے جو آجائے تو جانے کا نام نہیں لیتا۔ دوسری طرف جوانی ہے جو گئی تو پھر لوٹ کر نہیں آتی۔

انیسؔ کی دوسری رُباعی :

"کسی چیز کو جان دے کر پانا" کے معنی ہیں "بڑی کوشش کر کے حاصل کرنا۔ دیکھیے یہاں اس محاورے کو لفظی معنی میں کس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔

مشق اور مطالعہ

(1) حالؔی کی پہلی رُباعی میں خُدا کے وجود کو کس طرح ثابت کیا گیا ہے؟

(2) حالؔی کی دوسری رُباعی اور غالبؔ کی پہلی رُباعی میں شعرگوئی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ لیکن الگ الگ انداز سے۔ غور کر کے بتائیے کہ دونوں میں کیا فرق ہے؟